لامذہبی دور کا علمی و تاریخی پس منظر

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو برہان مئی ۱۹۶۲ء

مولانا محمد تقی صاحب امینی۔ صدر مدرس دار العلوم معینیہ اجمیر

(۷)

جسم کی طرح ذہن ونفس بھی حیوان ہی کے ترقی یافتہ ہیں

مذکورہ تشریح میں ڈاروِن "CHARLES DARWIN" نے انسان کو جس انداز سے حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا ہے اس سے نہ صرف جسمانی ساخت بلکہ ذہنی ونفسی ساخت بھی حیوان کی ترقی یافتہ قرار پاتی ہے اور انسان وحیوان کے شعور میں مماثلت ثابت ہوتی ہے۔

البتہ "ڈاروِن" کے معتقدین اس بات میں مختلف الرائے ہیں کہ دونوں کی شعوری مماثلت میں انسان حیوان کی سطح پر ہے یا حیوان انسان کی سطح پر ہے یعنی اعلیٰ ادنیٰ کے اندر ہے یا ادنیٰ اعلیٰ میں ہے۔

جو لوگ انسان کو حیوان کے مماثل مانتے ہیں وہ انسانی اقدار وخصائص کو حیوان کے نفسیاتی اعمال اور سابقہ عضوی کیفیات سے اخذ کرتے ہیں یہاں تک کہ ذہنی وفکری قویٰ کو بھی اعضاءِ جسمانی کی طرح تدریجی ارتقاء سے ظہور پذیر کردیتے ہیں۔

اور جو لوگ حیوان کو انسان کے مماثل مانتے ہیں وہ انسانی خصائص واقدار کو حیوان میں ثابت کرتے ہیں حتیٰ کہ مذہبی جذبات جیسے پاکیزہ احساسات کو بھی کُتّوں بندروں اور مکھیوں وغیرہ میں تسلیم کرتے ہیں۔

اس توجیہ میں مادیت انسان کے رگ وریشہ میں سرایت ہے

لیکن یہ دونوں گروہ اس امر میں متفق ہیں کہ انسان کی ساخت وپرداخت کے کسی مرحلہ میں بھی کوئی اور "جوہر" یا روحانی مداخلت کی کارفرمائی نہیں ہے۔

بس تدریجی ارتقاء کا جو اصول جسمِ انسانی کے تمام اعضاء میں کام کر رہا ہے کہ وہ نہایت ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اعلیٰ حالت تک پہونچتے ہیں بعینہٖ اسی طرح یہ اصول عصبی وذہنی نظام میں بھی جاری ہے کہ بتدریج ارتقاء کے نتیجہ میں ذہنی

وفکری خصوصیات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

غرض نظریۂ ارتقاء میں اصل بنائے کار "مادہ" ہے نفس و روح اور عقل و شعور وغیرہ "مادہ" ہی کی ایک صورت اور اسی کی نشو و ارتقاء کا نتیجہ ہیں۔

انسان کی اس "میکانکی" توجیہ میں مادیت انسان کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت ہے کہ مستقل حیثیت سے روحانیت کے داخل ہونے کا راستہ ہی بند ہو گیا ہے، گویا "نشاۃِ ثانیہ" کے وقت رُومی و یونانی تہذیب سے جو مادی ذہنیت برآمد کی گئی تھی اس کو پورا غلبہ اب حاصل ہوا ہے اور اس نے تکمیلی مراحل اس نظریہ کے ذریعہ سے طے کیے ہیں۔

فلسفہ کبھی شخصی و زمانی اثرات سے محفوظ نہیں رہا

انسان کیا ہے ؟
وہ کہاں سے آیا ہے ؟
اور کہاں جاتا ہے ؟

یہ ایسے سوالات ہیں کہ ہزار ہا سال سے فلسفہ ان کے جواب دینے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن جس قماش کے انسان نے جواب دیا اسی قسم کا فلسفہ وجود میں آیا اور جس دَور میں جواب دیا گیا لازمی طور سے اس کے اقتضاء کی پیروی کی گئی ہے۔

اس بنا پر ابتک نہ کوئی بات قطعی بن سکی ہے اور نہ ہی کوئی فلسفہ شخصی و زمانی اثرات سے محفوظ رہ سکا ہے۔

فلسفہ ہمیشہ روحِ انسانی کو مطمئن کرنے میں ناکام رہا

اصل کام انسان کے فطری احساسات و جذبات کو سمجھ کر فکر و عمل کے صحیح حدود متعین کرنا اور زندگی کے باریک تاروں کی "توانائی" برقرار رکھنے کا سروسامان کرنا ہے۔

فکر و عمل کی جس دنیا میں عقل کو جذبات پر فتحمند بنانے کا معقول بندوبست نہ ہو اور تاروں کی حرکات میں "توازن" پیدا کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو وہ دنیا گردابِ بلا میں پھنسی ہوئی انسانیت کی کشتی کو ساحلِ مراد پر نہیں پہونچا سکتی ہے۔

زندگی کے جن "تاروں" کو چھیڑنے میں بقائے حیات کا راز پوشیدہ ہے نیز تاروں میں "نغمہ" پیدا کرنے کیلئے "ساز" کے ساتھ جس قسم کے "سوز" کی ضرورت ہے وہ بڑی حد تک فلسفہ کے دسترس سے باہر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فلسفہ کسی دور میں بھی انسانی دُکھ درد کا علاج کرنے نیز رُوحِ انسانی کو مطمئن کرنے میں کامیاب

نہیں ہوا ہے اور دنیا بالآخر مذہب ہی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی ہے۔

فلسفہ ہر دور میں مذہب کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوا | یہ واقعہ ہے کہ ہر جدید فلسفہ مذہب کے انحطاط کے دور میں برسرِ کار آتا ہے اور مذہب کے "نعم البدل" کے طور پر وہ قبول کیا جاتا ہے لیکن روحِ انسانی کو اس سے تشفی نہ ملنے کی وجہ سے بعد میں مذہب کے ساتھ سمجھوتہ کی صورتیں نکالی جاتی ہیں اور مذہب کو تاویل و تزویر کے ذریعہ اس کے مطابق بنانے کی کوشش ہوتی ہے۔

یہ صورتِ حال فلسفہ کیلئے یقیناً مفید ثابت ہوتی ہے کہ مذہب کے ذریعہ وہ اپنے پائے چوبیں" کو مضبوط کرتا ہے لیکن مذہب کیلئے سخت مضر ہوتی ہے۔ اس سے اس کا اصلی کردار ختم ہوتا ہے اس کی جذب و انجذاب کی طاقت فنا ہوتی ہے اور بالآخر وہ فلسفہ کی صف میں اپنی اقدامی حیثیت کو ختم کر کے صرف مدافعانہ پوزیشن میں باقی رہتا ہے۔

نظریۂ ارتقاء کے نفسیاتی اثرات | ذیل میں نظریۂ ارتقاء کے چند نفسیاتی اثرات ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ واضح ہو کہ اخلاق و کردار اس سے کس درجہ متاثر ہوتے ہیں؟

"انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے" اس عقیدہ کا تعلق "حیاتیات" سے بیان کیا جاتا ہے لیکن انسانی نفسیات و اخلاقیات کسی طرح محفوظ نہیں رہتے ہیں۔

چنانچہ اوپر جن چار نفسیاتی مؤثرات کا تذکرہ کیا گیا ہے (۱) فطرت (۲) وراثت (۳) ماحول اور (۴) تربیت۔

اسی طرح نیکی و بدی کے محرکات قوتِ ملکیہ و قوتِ بہیمیہ یا ڈاکٹر یانگ "Jung" کے قول کے مطابق "ANIMA" اور "PERSENA"[1] وغیرہ جو بھی مؤثرات و محرکات اب تک بیان کیے جاتے رہے ہیں ان میں کوئی بھی "نظریۂ ارتقاء" کی زد سے نہیں بچ سکا ہے۔ مثلاً

فطرت پر نظریۂ ارتقاء کا اثر | (۱) فطرت۔

قبولِ حق کی اس قوت و استعداد کا نام ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطا کی جاتی ہے۔

"LEXXICON" کی لغت میں فطرت کی یہ تعریف ہے۔

[1] عروج و زوال کا الٰہی نظام صفحہ ۲۳

"بچہ کی وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن" CONSTITVION "ہے کہ جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ میں روحانی لحاظ سے بنایا جاتا ہے۔[۱]

فطرت کے مرحلہ میں ہر انسان نیک و صالح ہوتا ہے اور جب تک دوسرے مخالف مؤثرات کا غلبہ نہیں ہو جاتا ہے فطرت کی روشنی ہر موڑ و موقف پر "لائٹ" کا کام دیتی رہتی ہے۔

البتہ غلبہ کی صورت میں یہ روشنی مدھم پڑ جاتی ہے اور جب کبھی اس کے ابھرنے کا سروسامان مہیا ہوتا ہے تو پھر نمودار ہو کر "لائٹ" کا کام دینے لگتی ہے۔

یہ "فطرت" گویا انسانی زندگی کا اصلی و مستقل "جوہر" ہے۔ اسی کی موافقت سے انسانیت نشو و نما پاتی اور بالیدگی حاصل کرتی ہے اور جس قدر اخلاق و کردار میں اس کی مخالفت ہوتی ہے اسی قدر انسان انسانیت سے دور اور حیوانیت سے قریب ہوتا ہے۔

اس نظریہ میں فطرت کی مستقل حیثیت نہیں ہے

لیکن نظریۂ ارتقاء میں فطرت کو نہ مستقل حیثیت حاصل ہے اور نہ ہی وہ "جوہر" کی پوزیشن میں ہے بلکہ ایک ایسا وصف ہے جو انسان و حیوان میں امتیاز قائم کرنے کیلئے سابقہ حیوانی نفسی کیفیات کی بتدریج ترقی اور تاثیر و تاثر کے عمل کے نتیجہ میں ظاہر ہو گیا ہے جس کی "تہ" میں لازمی طور سے حیوانی "جراثیم" سرایت ہیں، اور مادی اثرات کی کارفرمائی ہے۔

پھر جب ارتقاء ہی کے نتیجہ میں یہ "امتیازی وصف" ظاہر ہوا تھا تو حیوانی اثرات و مادی کثافتوں سے اس کی صفائی اور نگرانی کا بندوبست ہونا چاہئے تھا لیکن نظریۂ ارتقاء میں از اول تا آخر کہیں بھی اس قسم کی کوئی نشاندہی نہیں ملتی ہے بلکہ اس کی تعبیر و تشریح کی وادیوں میں بسا اوقات یہ وصف گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

حقیقت انسانی میں "فطرت" جس قدر صاف و نکھری ہوئی ہے ارتقاء حیوانی میں وہ اسی قدر کثیف و الجھی ہوئی ہے۔ پھر مخالف اثرات سے اس کے تحفظ کی کوئی سبیل ہے اور نہ ہی بروئے کار لانے کیلئے فکر و عمل کا کوئی نظام ہے۔

ایسی حالت میں انسان کے اخلاق و کردار کا ڈھانچہ جس قسم کا متعین ہوگا وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ حیات انسانی میں فطرت کی حیثیت "تخم" کی ہے جس میں نشو و نمائی اور برگ و باری کی پوری استعداد موجود ہے

---

[۱] عروج و زوال کا الٰہی نظام ص۲۴

لیکن نظریۂ ارتقاء میں یہ "تخم" بھی حیوانی خواص و مادی اثرات سے محفوظ نہیں ہے۔

جب انسان فطرت ہی کے مرحلہ سے ان خواص و اثرات میں ملوث ہے تو آگے چل کر کیا توقع ہے کہ اس میں روحانیت کی "نمو" ہوگی یا وہ انسانی شرافت و فضیلت کو آشکار کرنے کا اہل قرار پائے گا۔

ایک ذہنی شبہ کا جواب | ہو سکتا ہے ماہرینِ نفسیات اس موقع پر یہ جواب دیں کہ نظریۂ ارتقاء میں وصف فطرت چند جبلتوں کے آپس میں امتزاج او رعمل و ردِ عمل کا نہایت پیچیدہ اور عجیب و غریب نتیجہ ہے۔

یہ جبلتیں انفرادی طور پر بیشک حیوانی نوعیت کی تھیں لیکن جب آپس میں مل کر وحدت کی شکل میں تبدیل ہو گئیں تو اُن کے خواص و اثرات یکسر بدل گئے اور حیوانی نوعیت میں بھی فرق آگیا۔

جس طرح دو یا چند متضاد وصف آپس میں ملتے ہیں تو ان کے اشتراک و امتزاج سے ایک ایسا وصف پیدا ہو جاتا ہے جو اُن کے انفرادی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وصفِ فطرت کے نمودار ہونے کے بعد بھی اس میں حیوانیت کا "عنصر" پایا جاتا ہے اور مادی کثافت برقرار رہتی ہے۔

لیکن یہ جواب بحث و تمحیص کے قابل اس وقت بن سکے گا جبکہ نظریۂ ارتقاء کی تشریح و توضیح میں فطرت کی مذکورہ پوزیشن قائم رکھی گئی ہو اور زندگی میں اس کا مستقل کردار تسلیم کیا گیا ہو۔

جس نظام میں "روح" کی مستقل حیثیت نہ ہو بلکہ وہ "مادہ" کی کرشمہ سازیوں کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوتی ہو اور صرف مادی قوت و طاقت کو معیار بنا کر ارتقاء کی منزلیں طے کرائی جاتی ہوں اس میں فطرت کی مذکورہ پوزیشن اور اس کی "جوہریت" کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے؟

وراثت پر نظریۂ | (۲) وراثت۔

ارتقاء کا اثر | انسان میں بہت سی خاصیتیں اور صلاحیتیں بذریعہ وراثت نفوذ کرتی ہیں اور بہت سے احساسات و جذبات میں وہ اپنے آباء و اجداد سے متاثر ہوتا ہے۔

نظریۂ ارتقاء کی تشریح کے مطابق "وراثت" کے تحت لاشعور میں مادیت و حیوانیت ہی سرایت ہوتی ہے۔ اسلاف کی روحانیت جو ارتقاء کے قاعدہ کے مطابق مادیت کی مرہونِ منت اور اسی کی کرشمہ سازیوں کا نتیجہ ہے

اگر اُس میں اتنی توانائی "پیدا بھی ہو گئی کہ وہ منتقل ہونے کے لائق بن سکی تو انتقال کے بعد نئے ظرف میں اس کے بقاء و ارتقاء کا کوئی سرو سامان نہیں ہے لامحالہ مادی ماحول کے غلبہ سے وہ ٹھٹھر کر رہ جائے گی اور تاحیات پھر اس کے اُبھرنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔

اس نظریہ میں انسان کو خالص مادی وحیوانی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس نظریہ میں چونکہ انسان کو خالص مادی وحیوانی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس بنا پر رصدگاہوں میں جو تجربات چوہوں اور بندروں وغیرہ حیوانات پر کیے جاتے ہیں وہی انسان کیلئے بھی فیصلہ کن قرار پاتے ہیں چنانچہ انسان کی نفسیات وغیرہ پر جو تحقیقات کی گئی ہیں ان کا بیشتر حصہ اُنہیں تجربات پر مبنی ہے جو چوہوں اور بندروں وغیرہ حیوانات پر کیے گئے ہیں۔

پہلے عقل وہوس کی موشگافیوں اور سرمستیوں نے انسان کی ایک دھندلی "تصویر" تجویز کی پھر تحقیقات و تنقیبات کے ذریعہ اس کا ثبوت فراہم کیا گیا۔

پہلے ذہن وفکر کا ایک "سانچہ" متعین ہوا اس کے بعد تائید حاصل کرنے کیلئے مختلف قسم کے تجربات کیے گئے۔

اگر ابتداء میں انسان کی کوئی دوسری شکل تجویز ہوتی اور ذہن وفکر کا "سانچہ" بھی اس سے مختلف ہوتا تو ان تجربات وتحقیقات کی نوعیتیں وکیفیتیں یقیناً بڑی حد تک مختلف ہوتیں۔

جب ذہن وفکر کی صحت ورسائی کی کوئی ضمانت نہیں ہے تو جو چیزیں ان پر مبنی ہوں وہ کیسے قطعی اور "حتمی" قرار پاسکتی ہیں؟ اصل چیز پہلے انسان کی ذہنی وفکری اصلاح ہے اسی پر تمام تصورات وخیالات کی صحت کا مدار ہے یہی وجہ ہے کہ "وحی الٰہی" نے ایمان ویقین کے ذریعہ سب سے پہلے ذہن وفکر کی اصلاح پر پورا زور صرف کیا ہے۔

ماحول کے آگے انسان کی بے بسی ومجبوری

(۳) ماحول۔

انسان شعوری وغیر شعوری طور پر گرد وپیش کی دنیا سے متاثر ہوتا ہے اور بڑی حد تک اس پر قابو پانے کی طاقت بھی رکھتا ہے جیسا کہ واقعات ومشاہدات شاہد ہیں۔

لیکن نظریۂ ارتقاء کے مطابق انسان بہمہ وجوہ ماحول کے مناسب بننے پر مجبور ہوتا ہے کیونکہ بقاء وارتقاء کی ضمانت انہیں کو حاصل ہوتی ہے جن میں ماحول کے موافق خصوصیات اور مدافعت کے اسباب مہیا ہوتے ہیں۔

(تفصیل پہلے گذر چکی ہے)

اس نظریہ میں "ماحول" ہی اصل متصرف و کارپرداز ہے اور انسان اپنی بقاء و ارتقاء کیلئے اس کے آگے بے بس و مجبور محض ہے۔

ماحول پر نظریۂ ارتقاء کا اثر | پھر ماحول سے مراد مادی ماحول ہے کیونکہ "روحانیت" نہ انسان کی طلب ہے اور نہ ہی قیام و بقاء کیلئے اس کی ضرورت ہے، انتخابِ فطرت اور بقائے اصلح تنہا مادی طاقت اور فخر و مباہات ہی پر منحصر ہے۔ نیکی و روحانیت، مساوات و بھائی چارگی، شرافت و عدالت وغیرہ اوصاف کو کوئی مقام نہیں حاصل ہے۔ اس بنا پر طاقت ہی اصل فضیلت و شرافت کا معیار ہے اور اس معیار کے مطابق "صالح" وہ ہے جو فتحیاب ہو کر باقی رہے اور غیر صالح وہ ہے جو شکست کھا کر ناکام و نامراد رہے [1]

یہ انسانیت کی نئی توجیہ اور صالحیت کی خاص اصطلاح ہے جس میں نہ صرف فضیلت و شرافت کا "پیمانہ" یکسر بدل گیا ہے بلکہ انسانی اقدار و اخلاق کے پائمال کرنیکا پورا سامان موجود ہے۔

اس نظریہ میں انسان وہ انسان نہیں رہ گیا ہے جس کی شرافت کو یاد دلایا جاتا تھا اور اس کی حمیت و غیرت کو ابھارا جاتا تھا بلکہ وہ ایک دوسری نوع میں تبدیل ہو گیا ہے جس کے اغراض و مقاصد مبدأ و منتہا وغیرہ سب مختلف ہیں۔

تربیت پر نظریۂ ارتقاء کا اثر | (۴) تربیت۔

تربیت میں مختلف تدبیروں کے ذریعہ وراثت کے غلط اثرات سے بچایا جاتا ہے اور ماحول پر قابو پانے کی ہمت پیدا کرائی جاتی ہے۔

نیز مثبت و منفی دونوں قسم کے احکام کے ذریعہ بعض جذبات کو ابھارا اور بعض کو دبایا جاتا ہے تاکہ انسان میں انسانیت کے "جوہر" نمودار ہوں اور اصلی شرافت و فضیلت کا وہ مستحق بن سکے۔

لیکن تربیت میں جن اثرات سے انسانی زندگی کو پاک و صاف کیا جاتا ہے نظریۂ ارتقاء میں انکے مظاہر کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ماحول کے جن "جراثیم" سے انسان کو محفوظ رکھنے کی کوشش ہوتی ہے، اس میں وہ بقاء و ارتقاء کے ضامن قرار پاتے ہیں۔

اسی طرح قوتِ ملکیہ کو جلا، دیگر جن عقائد وخیالات اور اعمال واخلاق کی پرورش کی جاتی ہے انسانیت کی نئی توجیہ میں وہ "سم قاتل" کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں خیالات واعمال کو فروغ ہوتا ہے جن سے قوتِ بہیمیہ کی "نمود" ہوتی ہے۔

غرض انسان کی زندگی جن حدود وخطوط پر ابتک حرکت کرتی رہی ہے اور زندگی کا جو نقشہ وسانچہ "وحی الٰہی" نے متعین کیا تھا نظریۂ ارتقاء کے حدود ونقوش اس سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ اختلاف نہ صرف ابتداء میں ہے بلکہ ابتداء وانتہاء بقاء وارتقاء سب میں ظاہر ہے۔

پورے اثرات مشاہدہ میں نہ آنے سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ | یہ نظریہ چونکہ غیر فطری ہے اس بناء پر پورے اثرات ابھی مشاہدہ میں نہیں آرہے ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کو مذکورہ حقائق کے تسلیم کرنے میں بھی تامل ہو۔

لیکن جن لوگوں کی نظر میں اس کا "پس منظر" اور اس کے نوک پلک ہیں انہیں مذکورہ اثرات کے تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا۔

یہ نظریہ لامذہبی دور کی پیداوار ہے | یہ دراصل اس دور کا پیداوار ہے جبکہ مروجہ عیسوی مذہب زندگی کے مسائل حل کرنے میں اور انسان کی تشنگی بجھانے میں ناکام رہا تھا اور دنیا چاروناچار لامذہبیت میں عافیت وپناہ کی راہ ڈھونڈنے لگی تھی، ایسی حالت میں مذہب واخلاق کی توقع بیکار ہے چنانچہ اس نظریہ میں کہیں بھی خدا اور روح وغیرہ مذہبی حقائق کا تذکرہ نہیں ملتا ہے اور کائنات کی تاریخ اس انداز پر مبنی قرار پاتی ہے کہ جس میں نہ کسی مافوق ہستی کا تصور ہے اور نہ کسی کی فعلیت وسربراہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

مذہب کے بارے میں سنجیدہ فلسفیوں کی رائیں | جس طرح فلسفیوں کا ایک گروہ مذہب کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے اسی طرح ایک سنجیدہ وباشعور گروہ اس کو فطری حقیقت تسلیم کرتا ہے، چنانچہ "ریمان" کے نزدیک "جبلت انسان میں ایسی ہی فطری ہے جیسے چڑیوں میں گھونسلا" بنانا ان کی فطرت میں ہے [۱]

"نٹشے" اور "پستانوری" وغیرہ فلسفیوں نے نہایت وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ نفسِ انسانی کا جوہر مذہبی احساس اور تمدنی زندگی کیلئے مذہب بمنزلہ روح کے ہے [۲]

---

[۱] معاشرتی نفسیات ص۳۵ [۲] پستانوری کا فلسفہ تمدن وتعلیم ص۱۸۵

البتہ مذہب سے یہاں وہ مذہب مراد نہیں ہے جو محض آرائش و تکلفات کا کام دیتا ہے اور سیاسی لوگ مقصد برآری کیلئے اس کو استعمال کرتے ہیں بلکہ حقیقی مذہب ہے جو ایمان و یقین کے ذریعہ زندگی کے تاروں کو چھیڑتا ہے اور مثبت و منفی احکام سے زندگی کی تربیت کرتا ہے اور پھر دنیا کے لئے امن و شانتی کا "پیامبر" بنتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ مذہب کے بغیر روحِ انسانی مطمئن نہیں ہو سکتی ہے ظاہری طور پر زندگی کو خواہ کتنا ہی بارعب و باوثوق کیوں نہ بنا دیا جائے۔

اسی فطری احساس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے فلسفیوں نے اوائلِ عمر میں نادانی سے مذہبی حقائق کا انکار کیا لیکن جب اُن کے شعور میں پختگی ہوئی اور زندگی نے ایک "حقیقت" کی تلاش پر مجبور کیا تو بالآخر مذہب ہی کے دامن میں انہیں پناہ ملی۔

ڈارون خود بھی کھل کر مذہب کا انکار نہ کر سکا تھا

خود "ڈارون" بھی مذہب کے معاملہ میں برابر مضطرب رہا اور کھل کر انکار کی جرأت نہ کر سکا۔ ایک طرف اس کا فلسفہ تھا جو رُوح کو مطمئن کرنے میں ناکام رہا تھا اور دوسری طرف اس کی فطرت تھی جو ماورائے "عقل" چیزوں کے تسلیم کرنے پر مجبور کر رہی تھی، نیز ایک طرف انتخابِ طبعی کا نظریہ تھا جو تعمیر کا نہیں بلکہ تخریب کا نتیجہ تھا اور اس کے بروئے کار آنے میں مصیبت و نقصان اور نفرت و ظلم وغیرہ کی دعوت تھی اور دوسری طرف محبت و رحم وغیرہ کے فطری جذبات و احساسات تھے جو اس کو رحیم و کریم قادرِ مطلق ہستی کے تسلیم کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔

اس مسئلہ میں وہ متلون مزاج بن گیا تھا

چونکہ ان متضاد حالات و کیفیات کو "انگیز" کرنا اس کے بس میں نہ تھا اس لئے مذہب کے معاملہ میں وہ متلون مزاج بن گیا تھا، کبھی کوئی رائے ظاہر کرتا تھا اور کبھی کوئی، چنانچہ:۔ جب کبھی اس کو مذہب کی نسبت اظہار رائے پر مجبور کیا جاتا تو وہ ہمیشہ وجود شر کی طرف اشارہ کرتا تھا[1] ایک نوجوان کو جس نے اس مسئلہ کی نسبت اس کی رائے پوچھی تھی یہ جواب دیا تھا۔

معقول ترین نتیجہ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ انسان کے حیطۂ عقل سے ماوری ہے لیکن اس کے باوجود انسان اپنا فرض ادا کر سکتا ہے۔[2]

---

[1] تاریخ فلسفۂ جدید حصہ دوم ص۵۲۴ [2] حوالۂ بالا ص۵۲۵

"ڈارون" پہلے وحی کا قائل تھا اور جب اس کی اہم تصنیف مبدء انواع شائع ہوئی اس وقت بھی وہ خدا کا قائل تھا پھر بتدریج اس کے خیالات بدلتے گئے یہاں تک کہ وہ اپنے کو "لا ادری" کہنے لگا جس کا مطلب یہ ہے کہ میرا علم اس مسئلہ کے حل کیلئے کافی نہیں ہے۔[1]

"لا ادریت" خود انسان کی بے بسی کا اعتراف ہے اور اس کو علم و معلومات کی ایک ایسی دنیا تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ جس تک رسائی کے بعد موجودہ نظریات میں تبدیلی ناگزیر بن جاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ "ڈارون" کو یہ موقع نہ میسر آیا اور اسی اضطراب و الجھاؤ کی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی۔

البتہ مذہب کے بارے میں مذکورہ رویہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ "ڈارون" کا فلسفہ اس کی نظر میں بھی زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے میں ناکام رہا تھا اور خود اس کی تشنگی بجھانے کا سامان نہ کرسکا تھا۔

فطرت انسانی سے نظریۂ ارتقاء کا واسطہ | فطرت انسانی کا خاصہ ہے کہ خلاف فطرت چیزوں کو بھی آزمائش کا موقع دیتی ہے لیکن زیادہ دنوں اس پر قائم و برقرار نہیں رہتی ہے۔ یہی صورت حال نظریۂ ارتقاء کو بھی پیش آئی، ابتدا میں چونکہ مروجہ مذہب شکست کھاچکا تھا اور "توانائی" پیدا کرنے والے نظریات سے اعتماد اٹھ چکا تھا اس بنا پر مجبوراً اس کو قبول کیا گیا اور علوم و فنون کے شعبوں کو آراستہ کرکے کام نکالا گیا، اگرچہ موافقت کی متفقہ آواز کبھی نہ بن سکی۔

لیکن اب قبول کرنے کی مدت گذرتی جارہی ہے اور مخالفت میں آوازیں اس انداز کی اٹھ رہی ہیں جس انداز کی موافقت میں آوازیں تھیں اور انہیں دلائل سے باطل کرنے کی کوشش ہورہی ہے جن دلائل سے اس کو ثابت کیا گیا تھا۔ اس بناء پر زیادہ انتظار کی مدت نہ برداشت کرنی پڑے گی فطرت خود ہی ابھر کر فیصلہ کرے گی اور دریا آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھے ہوئے انسان کے نیست و نابود ہونے کا تماشہ دیکھے گی۔[2]

ماہرین نفسیات کا مغالطہ | بعض ماہرین نفسیات نے نظریۂ ارتقاء کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں مابعد الطبیعاتی

---

[1] تاریخ فلسفہ یورپ صفحہ ۔ [2] آئے دن مختلف بیانات کے علاوہ ابھی پچھلے دنوں شکاگو (امریکہ) میں "ڈارون" ادارہ کے زیر اہتمام مجلس مباحثہ منعقد ہوئی تھی جس میں دنیا کے چیدہ اہل علم نے زور دار بحثیں کیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ فطرت خود ہی ابھر کر سامنے آرہی ہے۔

عوامل کام کر رہے ہیں اور اس کی بنیاد مذہبی تصور پر قائم ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے اور سب سے اعلیٰ خدا ہے۔[1]

اس میں مذہبی تصور مان لینے سے اعتراض ہوتا ہے کہ "جب انسان ابتدائی حالت میں حیوان تھا تو کیا اس وقت بھی اس میں مذہبی جذبہ موجود تھا۔

اس کا جواب ماہرین نے یہ دیا ہے کہ مذہبی جذبہ کا تعلق کسی ایک جذبہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یہ چند جبلتوں کے آپس میں امتزاج اور عمل کا نہایت پیچیدہ و عجیب و غریب نتیجہ ہے یہ جبلتیں ابتداء میں اگرچہ مذہبی نوعیت کی نہ تھیں لیکن تدریج ترقی کے نتیجہ میں تاثیر اور تاثر کا جو عمل ان میں ہوا اس عمل کے نتیجہ میں مذہبی جذبہ نمودار ہو کر انسان کی جبلت میں داخل ہو گیا۔

لیکن ڈارونی نظریہ کی جس انداز سے تشریح کی جاتی ہے اس میں مذہب کی بحث خوش فہمی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مذہب کا فطری احساس نہ ڈارون کو چین لینے دیتا تھا اور نہ ان ماہرین کو چین لینے دیتا ہے جس کی بنا پر اس نے "لا ادریت" میں پناہ کی راہ ڈھونڈھی اور یہ حضرات مختلف تاویل و توجیہ کے ذریعہ اپنے سکون کا سامان فراہم کرنے پر مجبور ہوئے۔

مذہبی لوگوں کا مذہب کے ساتھ سمجھوتہ

تاریخ کا یہ المیہ بھی عجیب و غریب ہے کہ تقریباً ہر دور میں مذہب کے ساتھ فلسفہ کے سمجھوتہ کی راہیں نکالی گئی ہیں اور بڑی حد تک مذہب ہی کو دبانے کی کوشش ہوئی ہے۔ نظریۂ ارتقاء کے ساتھ بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا گیا ہے چنانچہ مذہب عیسوی کے پیروکاروں نے اپنے مذہب کے ساتھ سمجھوتہ کی یہ راہ نکالی ہے۔

"خدا کے فعلِ تکوین سے زندگی کی ابتدا ہوئی اور جاندار یا جانداروں کی پہلی شکلیں مخلوق ہوئیں اور پھر مخصوص انواع کی آفرینش کیلئے خدا نے طبعی انتخاب کا قاعدہ جاری کیا۔"[2]

جن مذاہب نے انسان کی تبدیلی عقیدۂ تسلیم کی ہے ان کے یہاں دونوں کی تطبیق میں زیادہ دشواری

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ پستا لوزی کا فلسفۂ تمدن و تعلیم [2] تاریخ فلسفۂ جدید

نہیں پیش آتی ہے محض معمولی رد و بدل سے سمجھوتہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ عیسائیت میں خدا مسیح علیہ السلام میں حلول کئے ہوئے ہے اور وہ (نعوذ باللہ) انسان بن گیا ہے یا بدھ مذہب اور ہندوستانی وغیرہ ممالک کے دوسرے مذاہب جنھیں تناسخ (آواگون) کی صورت میں انسان کی تبدیلی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ بطور عقیدہ جب یہ بات مسلّم ہو کہ انسان دوسری شکل میں تبدیل ہو سکتا ہے یا خدا انسان میں محدود رہ سکتا ہے تو پھر انسان کو حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار دینے میں نہ کوئی "ندرت" باقی رہتی ہے اور نہ ہی ماننے والوں کو زیادہ الجھن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مذہب اسلام نظریۂ ارتقاء کو بالکل دوسری نگاہ سے دیکھتا ہے

ہاں جو مذہب انسان کی مذکورہ تبدیلی کو نہیں تسلیم کرتا ہے اور علانیہ کہتا ہے کہ ان سب مذاہب میں لوگوں نے اغراض و ہوس کی وجہ سے تحریف کر لی ہے حقیقی مذہب کی تعلیم کبھی یہ نہیں رہی ہے وہ نظریۂ ارتقاء کو بالکل دوسری نگاہ سے دیکھے گا اور کہیں کسی جزوی مشابہت کی بناء پر نہ تطبیق دینے کی کوشش کرے گا اور نہ ہی سمجھوتہ کی راہیں نکالے گا۔

اس کے سامنے "نظریہ" کا مبدأ و منتہا ہوگا پس منظر و پیش منظر ہوگا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی تعلیم اتنی جامع و مکمل ہوگی کہ اور کہیں سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

ابن مسکویہؒ اور مولانا رومؒ وغیرہ سے استدلال مغالطہ پر مبنی ہے۔

بعض لوگوں نے نظریۂ ارتقاء کو مذہب اسلام سے مطابق ثابت کرنے میں مسلم فلاسفہ و مفکرین (ابن مسکویہؒ و مولانا رومؒ وغیرہ) کے اقوال و افکار پیش کئے ہیں۔

مثلاً ابن مسکویہ نے موجوداتِ عالم کے مراتب کا تذکرہ کیا ہے اور انسان کو عالمِ صغیر قرار دیا ہے جس میں عناصر اربعہ نیز جمادات نباتات اور حیوانات کے خواص و اثرات مشاہدہ کئے جاتے ہیں، یا "نبوت" کو نفس ناطقہ کے ارتقائی حیثیت سے ثابت کیا ہے جس سے ارتقاء کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔[1]

اسی طرح مولانا رومؒ کے درج ذیل اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن سے ارتقاء ظاہر ہوتا ہے۔

آمدہ اوّل بہ اقلیم جماد   وز جمادی در نباتی اوفتاد

---

[1] ملاحظہ ہو الفوز الاصغر لابن مسکویہ ص ۔۔۔

سالہا اندر نباتی عمر کرد | وز جمادی یاد ناورد از نبرد
وز نباتی چوں بحیواں اوفتاد | نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد
جز ہماں میلے کہ دارد سوئے آں | خاصہ در وقتِ بہار ضیمراں
ہمچو میلِ کودکاں با مادراں | سرّ میلِ خود ندارد در لباں
ہمچنیں اقلیم تا اقلیم رفت | تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت

ان اشعار میں انسان کا مستقل وجود تسلیم کرکے اُس کی قوتوں کے بتدریج ارتقاء کا تذکرہ ہے نیز اس کی سیرت میں مختلف انواع موجودات کے خواص و اثرات پائے جانے کی نشان دہی ہے نہ کہ انسان کا وجودی ارتقاء بیان کرکے اس کو حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا گیا ہے۔

دراصل ان حضرات نے مذہبی حقائق کو فلسفیانہ و صوفیانہ انداز میں ثابت کیا ہے۔

شریعت حقہ کے بارے میں ابن مسکویہؒ کے تاثرات | ان کے یہاں ڈارونی ارتقاء کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے جو لامذہبیت پر مبنی ہے مولانا رومؒ کا معاملہ اس سلسلہ میں زیادہ واضح ہے البتہ ابن مسکویہؒ کے خیالات شریعت حقہ کے باب میں پیش کئے جاتے ہیں جن سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

ایک موقع پر کہتے ہیں۔

"ہر شخص کو مناسب ہے کہ دنیا کو اپنی وسعت اور مرتبہ کے موافق حاصل کرے جتنے کے قابل وہ اپنے کو پاتا ہے اس کی تحصیل میں کوتاہی نہ کرے اور جس کے لائق نہیں ہے اس کی ہوس نہ کرے، شریعتِ حقہ کی صراطِ مستقیم پر چلتا رہے مذہبی فرائض کو انجام دیتا رہے اخلاقِ حمیدہ و خصائلِ پسندیدہ رکھے، خلاصہ یہ کہ یہی سیدھا طریقہ ہے اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہنا نجات کی سبیل اور سعادت کا طریق ہے اور دونوں جہان کی بہبودی و فلاح اسی صورت میں ممکن ہے[1]

ایک اور جگہ ہے۔

"جس شخص کو جناب باری توفیق عطا فرمائے اور چشم بصیرت وا کرے اس کا فرض ہے کہ اپنی تمام ہمت و کوشش حیاتِ ابدی و سعادتِ سرمدی حاصل کرنے میں صرف کرے۔ جس سے قرب

[1] الفوز الاصغر ص۹۹

حضرت حق جل وعلا نصیب ہوتا ہے اور اپنی عقلِ خداداد سے کام لیکر دنیا و مکروہاتِ دنیا سے احتراز کرے اور نفسِ ناطقہ کو خواہشاتِ نفسانی کی آلودگیوں سے بچائے رکھے کیونکہ انہماکِ لذاتِ دنیا حضرتِ باری سے بُعد و اجنبیت پیدا کرتا ہے اور نفسِ ناطقہ کو ہلاک کر دیتا ہے۔ انسان طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہوتا اور عذابِ الیم پاتا ہے۔[1]

مسلم فلاسفر و مفکرین نفسیاتی ارتقاء کے قائل تھے نہ کہ حیاتیاتی ارتقاء کے

جن لوگوں نے ان بزرگوں کی تعلیمات کا بحیثیت مجموعی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے ماننے میں کوئی تامل نہ ہوگا کہ ڈارون اور ان کے نظریات میں مذہب کے علاوہ بھی بنیادی فرق موجود ہے۔

"ڈارون" حیاتیاتی ارتقاء کا قائل ہے اور "یہ نفسیاتی ارتقاء" کو تسلیم کرتے ہیں جس کا تعلق انسانی اور حیوانی خصائل تک محدود ہے اور دونوں کی نمائندگی انسان میں موجود ہے، انسانی خصائل کی نمائندگی فطرت اور قوتِ ملکیہ وغیرہ مؤثرات و محرکات کرتے ہیں اور حیوانی خصائل کی نمائندگی قوتِ بہیمیہ وغیرہ کے سپرد ہے۔

تعلیم و تربیت کے ذریعہ ثانی کو دبانے اور اوّل کو ابھارنے کا کام لیا جاتا ہے اگر اس کی کوشش نہ کی گئی یا اس میں کامیابی نہ ہوئی تو زندگی میں حیوانی خصائل ہی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور بہیمیت غالب رہتی ہے۔

صرف اتنی مناسبت سے دونوں میں مماثلت ثابت کرنا یا تقویت کیلئے ان سے استدلال کرنا انتہائی خود فریبی اور مغالطہ ہے۔

مذہب کے ساتھ مجوزہ سے فلسفہ کا نہیں مذہب کا نقصان ہے

اس طریقِ کار سے فلسفہ کا کوئی نقصان نہ ہوگا وہ اپنی مدت پوری کرکے لازمی طور سے میدان چھوڑ دیگا البتہ مذہب کی راہ میں رکاوٹوں کے سنگِ گراں یقیناً حائل ہو جائیں گے۔

باقی جن لوگوں نے قرآنی آیات و تشریحاتِ نبویہ کو نظریۂ ارتقاء کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح مذہب کے ساتھ عداوت و دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے وہ اس مرحلہ میں نہیں ہیں کہ ان کو جواب دیا جائے، یہ لوگ حالات و زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنے والے اور تبدیلی کے ساتھ بدلنے والے ہیں ان کا کوئی مستقل نظریۂ مذہب نہیں ہے بلکہ جو چیز رائج ہو کر چل پڑے وہی ان کا مذہب ہے اور جس کو غلبہ حاصل ہو جائے وہی نظریہ برحق ہے ایسی حالت میں کیا توقع ہے کہ اپنے خیالات و افکار پر نظرِ ثانی کریں گے اور جواب سے کوئی نتیجہ برآمد ہوگا؟

---

[1] الفوز الاصغر صفحہ